© rasailojaraid.com

پہلی قسط

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری اور ''تدوین سیر ومغازی''

سید عزیز الرحمٰن

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کا نام برِاعظم پاک وہند کے علمی حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں، بلکہ آپ کی بعض معرکۃ الآرا کتب کا فیضان ہے کہ آپ کا تعارف آپ کی حیات ہی میں پاک وہند سے بڑھتا ہوا بلادِ عرب تک پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ آپ کی کئی عربی کتب بلادِ عرب سے شائع ہوئیں، اور وہاں کے اہل علم سے ان کتب نے توقع سے بڑھ کر خراج تحسین حاصل کیا۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مبارک پوری پاک وہند کے ان چند محسنوں میں سے ہیں جن کی کاوشوں سے اس خطے کا علمی وقار واعتبار علمی دنیا پر قائم ہے اور جن کا نام ہمارا تعارف بھی ہے اور ہماری عزت افزائی کا سبب بھی۔

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری اسلاف کی روایات کے امین اور اسلامی تاریخ کی چلتی پھرتی تصویر تھے، توکل وتعقل، تحقیق وتدقیق، علم وفضل، سادگی وبے تکلفی، غناوبے نیازی، توازن واعتدال، حق پسندی وبے باکی، مروت ورواداری، احترام وشفقت اور برداشت وتحمل کے ان تمام تاریخی واقعات کی زندہ شہادت تھے، جو اوراقِ تاریخ پر جابجا ثبت ہیں اور جن پر ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم بجا طور پر فخر بھی کرسکتے ہیں، اور جو ہمارے لئے درسِ عمل بھی ہیں، آپ کی شخصیت میں عالم کا وقار، داعی کا اخلاص، مردمومن کی دل نوازی اور محقق کی طلب وجستجو جمع تھیں، اور دین اسلام کے طالب علموں کے لئے آپ کی شخصیت کا مطالعہ ایک اچھا اور متاثر کن نمونہ عمل سامنے لاتا ہے۔

ولادت ووفات: مولانا قاضی اطہر مبارک پوری رحمہ اللہ علیہ کی ولادت ۴/ رجب/ ۱۳۳۴ھ مطابق ۷/ مئی/ ۱۹۱۶ء کو ہندوستان میں ضلع اعظم گڑھ کے مشہور صنعتی قصبے مبارک پور میں اور وفات ۲۷/ صفر/ ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۴/ جولائی/ ۱۹۹۶ء کو ہوئی۔ اس طرح آپ نے ہجری تقویم کے اعتبار سے تقریباً ۸۳ سال اور عیسوی تقویم کے لحاظ سے ۸۰ سال عمر پائی، آپ کا نام آپ کے نانا مولانا احمد حسین رسول پوریؒ نے عبدالحفیظ تجویز کیا اور آپ کا پورا نام قاضی ابوالمعالی عبدالحفیظ اطہر مبارک پوری تھا، جب کہ آپ قاضی اطہر مبارک پوری کے مختصر نام سے معروف ہوئے۔

تعلیم: آپ کے نانا مولانا احمد حسین رسول پوری عربی زبان وادب کے ماہر اور بہت سی کتب کے مصنف تھے، جن میں آپ کا عربی دیوان بھی شامل ہے، جسے قاضی صاحب نے بعد میں مرتب کرکے شائع کیا تھا، وہ ایک عرصے تک ڈھاکہ میں مسند درس پر متمکن رہے، قاضی صاحب نے عربی کی ابتدائی کتب اپنے نانا سے پڑھیں، مبارک پور ہی میں قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجید، اردو زبان اور ریاضی وغیرہ کی تعلیم مکمل کی پھر ۱۳۵۰ھ میں مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں عربی تعلیم کے حصول کے لئے داخلہ لیا، اور وہاں کے اساتذہ مولانا مفتی محمد یسین مبارک پوری، مولانا شکر اللہ مبارک پوری، مولانا بشیر احمد مبارک پوری، مولانا محمد عمر مبارک پوری وغیرہ سے نحو، صرف، ادب، بلاغت، منطق، فلسفہ، فقہ، اصول فقہ وغیرہ علوم وفنون میں اس وقت مروج تمام کتابیں پڑھیں، ان اساتذہ کے علاوہ اپنے ماموں مولانا محمد یحییٰ رسول پوری سے عروض وقوافی اور ہیئت کے بعض اسباق پڑھے، قاضی صاحب کی علمی تربیت میں مولانا محمد یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کا بڑا حصہ ہے اور قاضی صاحبؒ میں کتب بینی اور مطالعے کا ذوق پیدا کرنے والے یہی ہیں، وہ نئی نئی کتابیں لاکر قاضی صاحب کو دیتے اور ان کے مطالعے پر انہیں ترغیب دلاتے، اس طرح رفتہ رفتہ کتب بینی آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔

مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں مروجہ نصاب مکمل کر لینے کے بعد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کا علمی سفر کیا اور فخر المحدثین مولانا سید فخر الدین احمد سے جو اس وقت وہاں کے شیخ الحدیث تھے، صحیح بخاری، سنن ابو داؤد اور مولانا سید محمد میاں سے سنن ترمذی اور مولانا سید محمد اسماعیل سے صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث کا درس لیا۔ اور ۱۳۵۹ میں تمام مروجہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔

ابتدا ہی سے علمی ذوق: قاضی صاحب قدرت سے فطری ذوق علم اور خدمت علم وادب کا جذبہ لے کر آئے تھے، یہی سبب ہے کہ جس زمانے میں خصوصاً آج کے دور میں طالب علم کو اپنی درسیات کی تکمیل کا بھی کوئی خاص ذوق نہیں ہوتا۔ اور ایک عجیب سا کھلنڈرا پن ہر ایک پر (الا ماشاء اللہ) ہمہ وقت طاری رہتا ہے۔ اس دور میں بھی قاضی صاحب کتب بینی کی عادت کے سبب اور اپنی محنت اور مطالعے کے زور پر شاہراہ علم وتحقیق پر گامزن ہو گئے تھے، اور تاریخ، طبقات وتراجم اور سیرت وسوانح پر مشتمل ان امہات الکتب کا مطالعہ آپ زمانۂ طالب علمی ہی میں کر چکے تھے، جن کی ورق گردانی کی سعادت عام طور پر فراغت کے بعد بھی مشکل ہی سے نصیب ہوتی ہے، اور ہم جیسے کتنے ہی ہوں گے، جنہوں نے تو ان کے نام بھی نہ سنے ہوں گے۔

چنانچہ دور طالب علمی میں جن کتب کے مطالعے کی سعادت آپ کو حاصل ہوئی ان میں الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبد البر۔ فتوح البلدان لابی الحسن البلاذری۔ الملل والنحل للشہرستانی۔ الفہرست لابن ندیم۔ وفیات الاعیان لابن خلکان۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی۔ وفاء الوفاء للسمہودی۔ الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ۔ سیرۃ ابن ہشام۔ الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ لابن حجر۔ الاخبار الاطوال لابی حنیفہ الدینوری۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد لابن القیم۔ تہذیب التہذیب لابن حجر۔ کتاب الخراج لقاضی ابی یوسف۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم۔ المعارف لابن قتیبہ۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، آکام المرجان فی احکام الجان، حیاۃ الحیوان، الصواعق المحرقۃ، العمدۃ فی الشعر ونقدہ، المحاسن والاضداد، الشعر والشعراء، المیزان الکبریٰ، المستطرف، دیوان فرزدق، العقد الفرید، اور رسالۃ الغفران جیسی امہات الکتب شامل ہیں۔

اس فہرست کو اپنی خودنوشت سوانح میں درج کرنے کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ان کتابوں کے علاوہ ہیں جن کو میں خرید تا تھا اور رات دن ان کے مطالعے میں مشغول رہتا تھا، اسی طرح جمعیۃ الطلبۃ (مدرسۃ احیاء العلوم) کی لائبریری کی تقریباً تمام کتابیں کلی یا جزوی طور پر میرے مطالعے میں رہ چکی ہیں اور میں نے ان سے استفادہ کیا ہے (۱)۔

اور اس دور کے اپنے ذوق مطالعہ کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

غیر درسی کتابوں کے مطالعے کا شوق جنون و دیوانگی کی حد تک بڑھ گیا تھا، چلتے پھرتے کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ضرور رہا کرتی، حتی کہ کھاتے وقت بھی کتاب دیکھتا تھا، بعض اساتذہ از راہ شفقت کہتے تھے کہ اس قدر زیادہ نہ پڑھو ورنہ اندھے ہو جاؤ گے تو میں عرض کرتا کہ اگر ایسا ہو تو خود ہی یہ کام بند ہو جائے گا، کثرت مطالعہ اور کتب بینی سے بعض اوقات آنکھ میں سوزش پیدا ہو جاتی، اور چکر آنے لگتا تھا (۲)۔

ان کتابوں کے مطالعے اور ان سے شغف و انہماک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدا ہی سے آپ میں امہات الکتب سے اخذ و اقتباس کا ذوق پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے دور طالب علمی ہی میں آپ نے عربی میں ایک کتاب "مرآۃ العلم" کے نام سے مرتب کی، جس میں علمائے سلف اور مختلف ائمہ علم و فن کے واقعات جمع کئے، اس طرح ائمہ اربعہ کے نام سے اردو میں ایک کتاب قسط وار مضامین کی شکل میں شائع کی۔

طالب علمی اور عسرت: اصحاب صفہ سے لے کر ماضی قریب تک جتنے بھی اہل علم گزرے ہیں، ان کی بڑی تعداد میں قدر مشترک یہ بھی نظر آتی ہے کہ ان میں سے اکثر نے زمانۂ طالب علمی میں بہت سی مشکلات برداشت کیں اور طرح طرح کی صعوبتوں اور مشقتوں کو جھیل کر علم و فضل میں کمال پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ یہ بات آج ہم سب کے لئے خاص طور پر غور کرنے کی ہے کہ اسلاف کی اس سنت کی پیروی کئے بغیر ہمیں جو علم (نام کی حد تک ہی سہی) حاصل ہو رہا ہے، اس کا اپنا درجۂ استناد کیسا ہے؟ اور اگر ہمارے اسلاف کو علم و فن میں اختصاص و امتیاز اس قدر محنت اور مشقت کے بعد حاصل ہوا تھا تو ہمیں اس کے بغیر یہ مقام فضیلت آخر کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟ خیر یہ ایک جملۂ معترضہ تھا۔ مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسلاف کی اس سنت کی پیروی کی سعادت بخشی اور آپ نے زمانۂ طالب علمی کا خاصا دور تنگی و عسرت میں بسر کیا البتہ وہ اسلاف ہی کے طریقے کے مطابق قناعت پسندی، اور کفایت شعاری پر کاربند رہتے ہوئے اس دور سے کامیابی کے ساتھ گزرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بڑی بات یہ ہے اور یہ بات بھی ہمارے لئے خاص سبق آموز ہے کہ اس کیفیت میں نہ تو مایوسی قریب پھٹکی، نہ راہِ تعلیم و تعلم متزلزل ہوئی، نہ کسی کے احساس کمتری کا ہی شکار ہوئے آپ خود ایک مقام پر تحریر کرتے ہیں:

طالب علمی کا پورا دور عسرت اور تنگدستی میں گذرا، کھانے پینے اور پہننے میں کفایت شعاری اور سادگی ہی رہی، اس وقت آج کل کی طرح معاش و معیشت میں فراوانی و فراخی نہیں تھی، عام طور پر لوگ روکھی پھیکی زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عادی تھے اس لئے تنگ دستی اور غربت کا احساس نہیں تھا، بلکہ سب لوگ اسی زندگی پر راضی وخوش رہا کرتے تھے، اس میں بڑی خیر وبرکت تھی، میں بھی ہر معاملے میں اپنے ذوق وشوق کے مطابق سامان مہیا کرلیا کرتا تھا اور کبھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوا (۳)۔

یہ دینی تعلیم کا اعجاز تھا یا اس دور کی سادہ معاشرت کی کرامت، حقیقت جو بھی ہو، آج ہم سب کے لئے یہ بات باعث عبرت اور خود احتسابی کی دعوت ہے۔ قاضی صاحب کا عہد کوئی زمانہ ماضی کا قصہ نہیں، کوئی دو چار سو برس پرانی بات نہیں، کل ہی کا ذکر ہے، جب قوی بھی کمزور پڑ چکے تھے، ایمان میں بھی کمزوری در آئی تھی، اور ہمتیں بھی دم توڑ رہی تھیں، اقدار بھی تبدیلی کی خواہاں تھیں۔ مگر ایسے میں ایک مرد مست الست زمانے کے ڈھب سے جدا اور حالات کے ''تقاضوں'' سے بے پرواہ اپنی رواہ خود تراشنے میں مصروف تھا۔ کہہ سکتے ہیں کہ اکا دکا مثالیں قانون کا درجہ نہیں رکھتیں، مگر مثالیت پسندی کے اس دور میں بھی آئیڈیل شخصیات تو کم ہی ہوتی ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی شخصیت ہماری آئیڈیل ہو سکتی ہے تو سچ یہی ہے کہ مال وزر اور شہرت ومقبولیت کی پر کشش دنیا میں ایسی ہی شخصیت ہو سکتی ہے۔ درحقیقت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری ہر اعتبار سے بقیۃ السلف کہلانے کے حق دار تھے۔

آغازِ کار: جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، آپ نے زمانہ طالب علمی ہی سے اپنے تحریری، تصنیفی وتحقیقی سفر کا آغاز کر دیا تھا، اس دور میں آپ کی شاعری کی بھی ابتداء ہوئی۔ ان کی نظمیں رسائل، اخبارات میں آنے لگی تھیں، پھر انہوں نے چھوٹے چھوٹے اور مختصر مضامین لکھنے شروع کر دیئے، سب سے زیادہ حوصلہ افزائی ان کو رسالہ ''قائد'' مراد آباد کی جانب سے ملی، یہ رسالہ مولانا سید محمد میاںؒ نے مراد آباد سے جاری کیا تھا، ''قائد'' کا معیار بہت بلند تھا، اس میں عام اور سرسری مضامین کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی، قاضی صاحب نے اسی رسالے میں لکھنا شروع کیا، اور اس میں قاضی صاحب کے مضامین کی اشاعت ان کے پختہ کار اہل قلم ہونے کی سند بن گئی، ان کا حلقہ تعارف بڑھنے لگا، پھر دوسرے رسائل میں بھی ان کے مضامین شائع ہوئے۔

علوم وفنون کی تحصیل سے رسمی فراغت کے بعد تعلیم وتدریس سے جدید علمی سفر کا آغاز کیا، اور اپنی مادر علمی مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں چار پانچ سال تدریسی خدمات انجام دی۔ اس کے بعد آپ امرتسر تشریف لے گئے۔ وہاں مرکز تنظیم اہل سنت کے نام سے ایک چھوٹا سا ادارہ قائم تھا، جہاں سے چھوٹے چھوٹے کتابچے مختلف موضوعات پر شائع ہوتے اور تقسیم کئے جاتے تھے، قاضی کے ذمے یہ لٹریچر مرتب کرنا اور پھر لاہور جا کر اس کی طباعت کا انتظام کرنا تھا، کیوں کہ اس وقت امرتسر میں کوئی اچھا اردو پریس موجود نہیں تھا، یہ سلسلہ کئی ماہ تک جاری رہا۔

کچھ عرصے بعد لاہور کے اخبار زمزم کے مالک کی پیشکش پر آپ اس سے وابستہ ہوگئے، البتہ اس کی مجلس ادارت سے آپ کا کوئی تعلق نہ تھا، منتخب التفاسیر اسی دور میں تیار ہوئی، اور کچھ عرصے بعد تقسیم ہند کے ہنگامے کی نذر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگئی، اس کام کا خاکہ یہ تھا کہ چند معروف تفسیروں کے خلاصے ہر ہر آیت کے تحت جمع کر دیئے جائیں، کچھ تفسیروں میں ایک ایک آیت کے تحت مصنف نے کئی کئی صفحات لکھے ہیں، ان عربی تفسیروں کو اردو میں منتقل کرنا پھر لمبی لمبی بحثوں کی تلخیص اس انداز سے کرنا کہ مفسر کی رائے کا خلاصہ اس میں آجائے اور اتنی ہی سطروں میں آئے، جگہ ہر صفحے پر ایک تفسیر کے لئے مقرر ہے۔ یہ کام بہت نازک اور محنت طلب تھا، تلخیص کے لئے بڑے علم ومطالعے کی ضرورت تھی، اگرچہ قاضی صاحب کی علمی استعداد ہر شک وشبہ سے بالاتر تھی مگر مفسر کے مقصد کو سمجھ لینا پھر اس کو مختصر لفظوں میں اردو میں منتقل کرنا وقت طلب امر تھا اس لئے ابتدا میں کام سست رفتاری سے چلا لیکن دو چار پاروں کے بعد ذہن فراست نے یاوری کی، پہلے ایک پارہ بھی ایک ماہ میں نہیں ہوتا تھا، لیکن جب کام آگے بڑھا تو پھر ایک ماہ میں ایک پارے سے زیادہ ہونے لگا، اور اس طرح تین سال میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔ مگر اسی دوران تقسیم ہند کا ہنگامہ شروع ہوگیا، اور جون کے وسط میں ۱۹۴۷ء میں قاضی صاحب لاہور سے ترک سکونت کر کے واپس وطن لوٹ گئے، اور بعد میں کچھ پتہ نہ چلا کہ اس کتاب کا مسودہ کہاں گیا؟

لاہور سے واپسی کے بعد کچھ دنوں بہرائچ میں قیام رہا، وہاں سے مولانا محفوظ الرحمٰن نامی نے الانصار کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالنے کا فیصلہ کیا اور قاضی صاحب کو اس کا مدیر مقرر کیا، لیکن وسائل کی عدم فراہمی کے سبب یہ اخبار زیادہ عرصے جاری نہ رہا، اور قاضی صاحب واپس اپنے وطن لوٹ گئے، پھر جامعہ اسلامیہ ڈھابیل میں بطور مدرس ان کی تقرری ہوگئی اور آپ وہاں منتقل ہوگئے، اس وقت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ وہاں شیخ الحدیث تھے، مولانا بنوریؒ بڑے پختہ علمی ذوق کے مالک، وسیع مطالعے کے حامل اور عربی کتب پر گہری نظر رکھتے تھے، قاضی صاحب کو ان کی رفاقت میسر آئی، لیکن یہ سلسلہ بھی زیادہ عرصے برقرار نہ رہ سکا، اور آپ ایک بار پھر واپس وطن لوٹ آئے۔

بمبئی میں: ۱۹۵۲ء میں جمعیت علماء مہاراشٹر کی جانب سے بمبئی سے جمہوریت کے نام سے ایک اخبار نکالنے کا فیصلہ کیا گیا، حامد الانصاری اس کے ایڈیٹر اور قاضی اطہر مبارک پوری اس کے جوائنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے، مگر حالات ناسازگار ہونے اور انتظامیہ سے اختلافات کے بعد آپ اس سے بھی علیحدہ ہوگئے۔

بمبئی کا ''اردو'' اخبار انقلاب ایک طویل تاریخ رکھتا ہے اس وقت بھی وہ وہاں کا سب سے بڑا اردو اخبار تھا، اس کے مالک عبدالحمید انصاری کو جب جمہوریت اخبار سے قاضی صاحب کی علیحدگی کا علم ہوا تو انہیں اپنے اخبار میں آنے کی دعوت دی، قاضی صاحب نے یہ دعوت قبول کر لی اور اخبار ''انقلاب'' سے وابستہ ہوگئے، یہاں چالیس سال تک آپ نے جواہر القرآن اور احوال ومعارف کے نام سے کالم لکھے، جنہیں اگر جمع کیا جائے تو کئی ایک ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں، یہ تمام کالم عموماً علمی اور اسلامی موضوعات پر ہوتے تھے۔

آپ کی رہائش گاہ: بمبئی کے اس طویل عرصۂ قیام میں آپ کی جائے سکونت ایک پرانا خستہ سا کمرہ تھا، جس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چٹائیوں کا فرش تھا، یہی کمرہ آپ کا دفتر بھی تھا، یہیں آپ کے قلم سے وہ تیس پینتیس کتابیں نکلیں جو عالم اسلام میں آپ کے وسیع تعارف کا ذریعہ بنیں اور اہل ہند کی طرف جن کے انتساب نے ان کا سرپوری علمی دنیا میں فخر سے بلند کر دیا، قاضی صاحب کی رہائش گاہ کی منظر کشی آپ کے ایک رفیق مولانا اسیرادروی کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔

جامع مسجد کی طرف جانے والی ایک تنگ سی ذیلی سڑک پر ایک پرانی خستہ عمارت دلق پوش فقیر کی طرح کھڑی ہے، اس کے داخلے کے دروازے میں قدم رکھیے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہاں دہلیز میں بدروحیں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں، لیکن زینے سے اوپر چلے جائیں تو فضا کچھ بدل جاتی ہے، زینہ دوسری منزل پر جہاں ختم ہوتا ہے ٹھیک سامنے ایک دروازہ ہے، یہی قاضی صاحب کے مرکز علمی کا دفتر ہے، اس کمرے میں چند بوسیدہ اور خستہ چٹائیوں کا فرش ہے اور نشست کی جگہ ایک شکن آلودہ چادر بچھی ہوئی ہے، فرنیچر نام کی کوئی چیز یہاں نہیں تھی، نہ کرسی میز، نہ صوفہ سیٹ نہ الماری، نہ فریج، نہ کولر، نہ ٹیبل فین، نہ چائے کا سیٹ، بس ایک طالب علم کا کمرہ جس میں کوئی اہتمام اس لئے نہیں ہوتا ہے کہ یہاں قیام عارضی ہے، یہاں کی زندگی مسافرانہ ہے، قاضی صاحب اس ویران اور خستہ کمرے میں ۴۰ سال رہے مگر کن فی الدنیا کا نك غریب او عابر سبیل کی زندہ مثال بن کر رہے۔

اس دور میں جو آپ کی حیاتِ مستعار کا سب سے اہم اور سب سے طویل دور قرار دیا جاسکتا ہے، آپ نے انقلاب اخبار کے ساتھ وابستگی کے ساتھ ساتھ اپنی علمی و تحقیقی سرگرمیوں پر بھرپور توجہ دی، اسی دوران انجمن اسلامیہ کے اسکول میں دینیات کے ایک دو پیریڈ بھی آپ نے پڑھائے، تدریس کا یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا، اس کے علاوہ آپ کا تمام وقت اپنی قیام گاہ میں ہی گزرتا تھا۔

قاضی صاحب اپنے قیام بمبئی کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

تیس سال سے زائد مدت تک بمبئی میں قیام رہا، جس شہر میں شبلی مرحوم ''کنار آب چوپائی وگل گشتِ اپالو'' کی سیر کر کے غزل کہا کرتے تھے، ان کے ایک ہم وطن نے ایک معمولی سے کمرے میں ''مرکز علمی'' کا بورڈ لگا کر تصنیف و تالیف اور مضمون نگاری و مقالہ نویسی کا دور شباب گذارا، .... بمبئی غریب پرور ہونے کے ساتھ علم کش شہر ہے، جس کا احساس مجھے یہاں آنے سے پہلے ہی تھا، اس لئے میں نے دولت و ثروت کے اس ''اندرونِ قعر دریا'' میں تیس سال سے زائد تختہ ہونے کے باوجود اپنے دامن علم کو تر نہیں ہونے دیا اور مختلف قسم کی مصروفیات کے باوجود عرب و ہند کے ابتدائی چار سو سالہ تعلقات پر عربی و اردو میں متعدد کتابیں لکھ کر ایک بڑے خلا کو پر کیا (۴)۔

البلاغ کا اجرا: ۱۹۵۲ء میں تنظیم خدام النبی کی زیر نگرانی البلاغ کے نام سے ایک ماہنامہ رسالے کا اجرا ہوا، جس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ مدیر تھے اور لگ بھگ ۲۵ برس تک اسے تن تنہا نکالتے رہے۔ یہ مجلہ علمی حلقوں میں نہایت پسندیدگی سے دیکھا جاتا تھا اور ملک کے مؤثر علمی رسائل میں اس کا شمار ہوتا تھا۔

عربی ذوق: قاضی صاحب کا عربی ادب کا ذوق نہایت پختہ تھا، آپ بے تکلف احباب کی محفلوں میں اکثر دوران گفتگو مختلف جاہلی شعراء کے اشعار سناتے اور اس کی معنویت کی وضاحت کرتے، آپ کو بے شمار عربی اشعار یاد تھے، چونکہ شب و روز عربی کتابوں کا ہی مطالعہ تھا اس لئے عربی نثر بہت عمدہ مگر نہایت سادہ لکھتے تھے۔ بعض عربی کتابوں پر جو انہوں نے مقدمے اور پیش لفظ لکھے ہیں، وہ بہت رواں، سلیس اور فصیح عربی میں ہیں، کہیں کہیں سجع کی رعایت اور قافیہ پیمائی بھی نظر آتی ہے، یہی عربی ادب کا ذوق آگے چل کر مزید نکھر گیا، ان کی عربی عبارتوں میں کہیں تکلف اور اردو کی جھلک نہیں ملتی، نہ کہیں اظہار مطالب میں اغلاق و ابہام کا شائبہ ہے "رجال السند والهند" ان کی عربی کی پہلی تصنیف ہے، دوسری کتاب "العقد الثمين" جب آپ کے قلم سے نکلی تو عام متداول عربی تاریخ و سیر کی کتابوں کا جو انداز ہے بالکل وہی انداز بیان اور وہی سادہ لب ولہجہ اس میں نظر آتا ہے۔

شاعری: مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے دور طالب علمی میں ہی شاعری شروع کر دی تھی۔ آپ اپنے دور طالب علمی میں بہت لکھتے تھے، اس دور میں ان کی شاعری ہی ان کی شناخت بن گئی تھی، وہ غزل کے بجائے صرف مذہبی و اصلاحی نظمیں لکھتے تھے، جس میں جوش و جذبے کی فراوانی ضرور تھی لیکن لطف بیان، طرز اظہار میں جدت، زبان و بیان کی چاشنی، برجستگی و سلاست اور شگفتگی کا عنصر بہت کم تھا، اس دور کی ان کی شاعری نعت اور اصلاحی نظموں تک محدود تھی۔ مگر پھر عمر کے ساتھ ان کی شاعری پر بھی نکھار آنے لگا، اور ان کے شعروں میں رمزیت، معنویت اور استعارات کا خوبصورت استعمال اور تخیل کی کارفرمائیاں نظر آنے لگیں، اب وہ غزلیں بھی لکھنے لگے تھے ان کی کچھ غزلیں نہایت پاکیزہ اور دلکش ہیں۔ یہ سلسلہ کافی عرصے تک چلا، بعد میں علمی مشغولیت کے سبب یہ سلسلہ ترک ہوتا چلا گیا، آپ کا یہ ذوق صرف شعر کہنے تک محدود نہیں تھا، بلکہ آپ نے شعر و ادب کی نشستوں میں بھی شرکت فرمائی ہے، آپ کا مجموعۂ کلام جس میں ہر طرح کا کلام ہے، البتہ مذہبی اور اصلاحی نظموں کا تناسب زیادہ ہے، مئے طہور کے نام سے موجود ہے اور تا حال غیر مطبوعہ ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کلام کے چند نمونے سے بھی پیش کر دیئے جائیں۔

بینم بہ ہجرش برہم نظامے — در شام صبحے، در صبح شامے
در صبح رویش شمسے درخشاں — شمسے چہ شمسے، شمسے مدامے
در شام زلفش، ماہ مبارک — ماہے چہ ماہے، ماہے تمامے
خط حسینش، تقدیر ہستی — نطق بیانش، مبرم پیامے
صدیق و فاروق عثمان و حیدر — در بند زلفش صید بدامے
اے فخر عالم! با سوز فرقت — گوید سلامے، ادنیٰ غلامے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عطا ہو ساقیا! تشنہ لبوں کو جام عرفانی — حریم نعت میں آئے نظر، ہر چیز نورانی
نہ پوچھ اس دم مرا سوز و گداز شاعری ہمدم — درِ معنی پہ سجدہ ریز ہے لفظوں کی پیشانی
وفور بیخودی میں ہے نئے انداز سے پیہم — حریم حسن میں دست طلب کی پردہ جنبانی
تری ذات مقدس مبدأ الطاف بے پایاں — تیری ذات مقدس منتہائے فضل ربانی
کھلا ہے صفحۂ قرآں، ضیائے روئے انور میں — جبیں پر گیسوے پر پیچ ہیں آیاتِ قرآنی
بیان والضحیٰ پیشانی سیمیں کے جلوے میں — ہے شرح سورۂ واللیل، زلفوں کی پریشانی
تری آنکھوں کو ساقی چشمۂ کوثر سے کیا نسبت — جو اک جنبش میں چھلکائیں ہزاروں جام عرفانی

☆......☆

فسانہ بن رہی ہے اب تو محفل میں فدا کاری — وفا کی سرد پڑتی جا رہی ہے گرم بازاری
ہے باقی وصل کی خواہش نہ فرقت کی جنوں کاری — جنوں کاروں کی الفت سے ہوتی جاتی ہے بیزاری
نہ جانے کیا دل وحشی نے اپنا رنگ بدلا ہے — کہ صحرا چھوڑ کر پھرتی ہے در در اس کی خودداری
زمانے نے اڑا دی دھجیاں دامانِ ہستی کی — بدن پر مردنی سی، روح پر افسردگی طاری
پڑا ہے زندگی کا کارواں ششدر دوراہے پر — نہ جینے ہی کا ساماں ہے نہ مرنے ہی کی تیاری

☆......☆

گرا دیتے ہیں وہ مجھ کو نظر سے جب سر محفل — مرے جینے کا دنیا میں سہارا ٹوٹ جاتا ہے
تعالیٰ اللہ، زہے تقدیر، ایسے مرنے والوں کی — مسیحا مسکرا دیتا ہے اور دم چھوٹ جاتا ہے
ہوا جاتا ہے جب جوشِ سفر بیتابیٔ منزل — کوئی ہم شکل منزل بن کے اطہر لوٹ جاتا ہے
مجھے اپنوں سے الفت ہے وگرنہ قاضی اطہر — انہیں حالات میں اپنوں سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے
معاذ اللہ، بحث حسن و الفت کتنی خونی ہے — چلی مژگاں سے اور تیغ و سناں تک بات جا پہنچی
نہ کہتا تھا، نہ چھیڑ و مرے اشکوں کو برا ہوگا — اگر قطرے سے بحر بیکراں تک بات جا پہنچی
سکوت اطہر کیا ہم نے بہت آغاز الفت میں — مگر انجام میں شرح و بیاں تک بات جا پہنچی

☆......☆

کچھ دنوں میں اور بدلے کی یونہی رسم قفس — اب تو کچھ آزادی آہ و فغاں ہونے لگی
ہائے وہ بیمار آنکھیں جن کا اطہر ہے مریض — ان کی اک شہ پر میری دنیا جواں ہونے لگی

☆......☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قصور اس میں ہے کیا ساحل کا دریا کی خطا کیا ہے　　اگر طوفان میں جا کر خود ہی کشتی توڑ دی ہم نے

ہلا سکتی نہیں ہے دولتِ کونین بھی اطہر　　زمینِ فقر پر رکھی ہے بنیاد خودی ہم نے

آخری ایام: وفات سے کئی برس پہلے آپ نے بمبئی کی سکونت ترک کر دی تھی اور ارادہ تھا کہ نصف صدی کی انتھک جد و جہد اور محنت کے بعد کچھ ایام اب اپنے آبائی وطن میں گذاریں گے، مگر تقدیر کو کچھ یوں منظور نہ تھا۔ دار العلوم دیو بند میں شیخ الہند اکیڈمی بہت دنوں سے قائم تھی لیکن اس کی سرگرمیاں بہت محدود تھیں، ارباب دار العلوم نے قاضی صاحب کو آمادہ کرنا چاہا کہ وہ دیو بند آجائیں اور اکیڈمی کو متحرک کریں، قاضی صاحب غریب الوطنی اور مسافرت کی زندگی سے تھک چکے تھے، اس لئے انہوں نے اکیڈمی سے باقاعدہ وابستہ ہونے سے انکار کر دیا، البتہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ سال میں ایک دو بار دیو بند جا کر چند ہفتے قیام کریں گے، مگر تنخواہ نہیں لیں گے، ارباب دار العلوم نے اس کو بھی غنیمت سمجھا اور جب تک ان میں سفر کرنے کی ہمت رہی وہ پابندی سے دیو بند کا سال میں ایک دو بار سفر کرتے اور کم وبیش ایک ماہ وہاں قیام کرتے رہے، اسی دوران انہوں نے اپنے کئی مسودات مکمل کئے اور ان کی کئی کتابیں اکیڈمی سے شائع ہوئیں، تدوین سیر و مغازی۔ خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ائمہ اربعہ وغیرہ اسی دور کی یادگار ہیں۔

کئی سال سے وہ مختلف عوارض کا شکار تھے مگر بسترِ علالت پر کبھی نہیں رہے، دوائیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے اور پابندی سے استعمال کرتے، عمر کے تقاضے سے بھی اعضا میں اضمحلال آتا جا رہا تھا، انہی عوارض کا ساتھ نبھاتے ہوئے، بالآخر ۱۴/ جولائی ۱۹۹۶ء کو وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔ إنا للہ وانا الیہ راجعون۔

اخلاق و کردار: آپ بلند پایہ اخلاق اور اسلاف کے طرز عمل کے مطابق عمدہ و پاکیزہ کردار کے مالک تھے، ایک اچھے انسان اور مسلمان کی تمام خوبیاں آپ میں جمع تھیں، آپ کے اخلاق کا جائزہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی (مدیر معارف، اعظم گڑھ) نے نہایت جامعیت کے ساتھ لیا ہے، یہ طویل پیرا من وعن پیش کیا جاتا ہے:

قاضی صاحب بڑے متواضع، منکسر المزاج اور خلیق تھے، وہ خلوص و محبت اور دردمندی کا پیکر تھے، لوگوں کی حاجت روائی اور ان کے کام کر دینے میں ان کو لذت ملتی تھی، کسی کو ضرر پہنچانا یا ایذا دینا ان کا شیوہ نہ تھا، ان کی زندگی بڑی سادہ اور ہر قسم کے تکلف و تصنع سے بری تھی، اپنی وضع قطع اور ملنے جلنے کے انداز سے اپنی عظمت اور بڑائی ظاہر نہ ہونے دیتے، طبیعت میں غیرت و خودداری تھی، کسی کا احسان مند ہونا گوارا نہیں کرتے تھے، وہ کسی کے عہدے و منصب اور جاہ و تمول سے نہ کبھی مرعوب ہوتے اور نہ اس سے دب کر اور جھک کر ملتے، اہل علم کی بڑی قدر کرتے، ان کے سامنے مصنوعی اور خود ساختہ بڑوں کو ہیچ و حقیر خیال کرتے، علم کی توہین کسی حال میں نہ ہونے دیتے، اصحاب علم کو دولت مندوں اور امرا کی خوشامد کرتے دیکھتے تو غضب ناک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جاتے، بڑے صاف گو تھے، ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا، لاگ لپٹ، رورعایت، ظاہرداری اور مصلحت پسندی انہیں نہیں آتی تھی، ناگوار باتوں اور غلط کاموں کو دیکھ کر چپ رہنے یا چشم پوشی کر لینے کو پسند نہ کرتے تھے، اور صحیح بات بے جھجک برملا کہہ دیتے تھے۔ حرص و آز اور تملق سے نفرت تھی، غرور وتمکنت اور رعونت ونخوت کا کوئی شائبہ بھی ان میں نہ تھا، وہ خودستائی اور خودنمائی کے بالکل عادی نہ تھے، کوئی ایسی بات نہ کرتے جس سے ان کی فضیلت و برتری ظاہر ہوتی، ان کی دینداری ریا ونمائش سے خالی تھی، وہ نام ونمود کے بجائے خاموش خدمت کو پسند کرتے۔ ہر ایک سے بشاشت اور گرم جوشی سے ملتے، من کا آئینہ دل بغض و کینے کدورت سے زنگ آلود نہ تھا، تعصب، تنگ نظری اور جماعتی عصبیت کو سخت ناپسند کرتے تھے، ہر گروہ و مسلک کے لوگوں سے ان کے تعلقات تھے، ان کے جنازے میں بڑا اژدھام تھا، جس میں ہر مسلک و مشرب اور ہر فرقے و گروہ کے لوگ شامل تھے، اپنے خوردوں سے بھی نہایت بے تکلفی سے ملتے اور محبت وشفقت کا برتاؤ کرتے، ان کی حوصلہ افزائی کے لئے ان کے معمولی اور ادنیٰ کاموں کی داد دیتے، اپنے بزرگوں اور برابر کے لوگوں سے ہمیشہ عزت واحترام کا معاملہ کرتے، بڑے مہمان نواز تھے، علماء کو اکثر اپنے گھر کی دعوت دیتے اور جب وہ پہنچ جاتے تو ان کو بڑی خوشی ہوتی اور خوب خاطر مدارت کرتے۔

آپ کے بلند کردار کے بارے میں آپ کے ایک رفیق مولانا اسیر ادروی گواہی دیتے ہیں:

قاضی صاحب انتہائی وضعدار بزرگ تھے، جن لوگوں سے طالب علمی کے دور میں تعلقات تھے ان تعلقات کو انہوں نے زندگی بھر نبھایا، بہت سے گم نام اور معمولی لیاقت کے لوگ، ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں گذر بسر کرنے والے خستہ حال جن سے کبھی قاضی صاحب کا تعارف تھا یا دوستانہ مراسم تھے ان کے گھروں پر جانا، ملاقات کرنا، خیر و عافیت معلوم کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے، وہ جب وطن آتے تو اطراف وجوانب کی بہت سی آبادیوں، قصبوں اور گاؤں میں متعارف لوگ یا احباب تھے ان تمام مقامات پر جاتے، گھنٹے دو گھنٹے ان کے پاس گذارتے، شام ہوتے ہوتے راقم الحروف کے وطن ادری تشریف لاتے، ان کے آنے سے ہمارے گھر عید ہو جاتی تھی، شب میں ہمارے مدرسے دارالسلام کے صحن میں پلنگوں اور چارپائیوں کی قطار لگ جاتی، اہل علم احباب کی محفل جمتی، قاضی صاحب صدر مجلس ہوتے اپنے تجربات، مشاہدات، بیرون ملک کے اسفار کی دلچسپ روداد بیان کرتے، ہنسی مذاق، تفریحی جملے، ظریفانہ واقعات پر قہقہوں کا سلسلہ نصف شب تک چلتا رہتا، یہ مجلس اتنی دلچسپ اور نشاط انگیز ہوتی تھی کہ احباب سال بھر اس کے منتظر رہا کرتے تھے، قاضی صاحب اپنی کتابوں کے صفحات میں جتنے باوقار جتنے عظیم اور مرعوب کن نظر آتے ہیں، وہ احباب کی مجلسوں میں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے تکلف دوست سے زیادہ نظر نہیں آتے تھے، یہ ان کی عظمت اور بڑائی کی دلیل ہے، خواہ مخواہ دوسروں پر اپنے فضل وکمال کا رعب ڈالنا، بات بات میں اس کا مظاہرہ کرنا، بھویں چڑھا کر بات کرنی ان تمام لغویات اور مصنوعی زندگی سے وہ بالکل نا آشنا تھے، علمی مجلسوں میں کسی سے وہ مات کھانے والے نہیں تھے لیکن بے تکلف احباب کی محفل میں شرافت واخلاق کا مجسمہ، تعلّی اور خودنمائی کا کہیں دور دور پتہ نہیں چلتا تھا۔

حمیت دینی: آپ ایک خوددار عالم اور دینی جذبے سے سرشار محقق تھے، آپ کے پیش نظر اسلام کی سربلندی اور شعائر اسلام کا احترام اولیت کا حامل تھا۔ ایک بادشاہ اردن ہندوستان کے دورے پر آئے تو بمبئی کے معروف عرب جوہری نے ان کی بمبئی میں دعوت کی، عرب جوہری نے قاضی صاحب کو ترجمانی کے لئے مدعو کیا، ڈنر فائیو اسٹار ہوٹل میں تھا اس کا دعوت نامہ جب قاضی صاحب نے ملاحظہ کیا تو اس میں ڈنر کے بعد بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر رقص وسرور کا بھی پروگرام تھا، بمبئی کی مشہور فلمی اداکارائیں اور رقاصائیں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والی تھیں، قاضی صاحب نے جوں ہی پروگرام کی یہ سطریں پڑھیں ان کی دینی غیرت اور عالمانہ وقار کو ٹھیس لگی اور انہوں نے دعوت میں شرکت کا پروگرام منسوخ کردیا۔

تنقیدی برداشت کرتے: قاضی صاحب کا ایک اہم وصف یہ تھا کہ وہ سچے اہل علم کی طرح نقد وتنقید سے گھبراتے نہ تھے، بلکہ خندہ روئی کے ساتھ اس کو قبول کرتے تھے، ایک مثال ملاحظہ ہو، قاضی رشید بن زبیر غسانی کی تصنیف ’’کتاب الذخائر والتحف‘‘ کے مصنف کی تعیین کے سلسلے میں قاضی صاحب اور ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوا، اختلاف کا سبب یہ تھا کہ رشید بیٹے، باپ اور دادا تینوں کے نام کا جز تھا، قاضی صاحب کا خیال تھا کہ یہ پوتے کی تصنیف ہے اور ڈاکٹر صاحب کی رائے تھی کہ دادا کی تصنیف ہے، اس کے علاوہ کچھ اور امور بھی متنازعہ فیہ تھے اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کے مکتوب اور قاضی صاحب کے مضمون کی اشاعت ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ (دسمبر، ۱۹۶۰ء) میں ایک ساتھ ہوئی، اس پر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی علیہ الرحمہ نے ایک مضمون بطور محاکمہ تحریر فرمایا، جو رسالۂ مذکور میں فروری ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا، جس میں مولانا نے تعیین مصنف کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کی رائے سے اور بعض دیگر نقد و استدراک کے بارے میں قاضی صاحب کے خیالات سے اتفاق کا اظہار فرمایا، مزید برآں اسی بحث سے متعلق متعدد اہم امور کا انکشاف بھی فرمایا۔ قاضی صاحب نے نہ صرف مولانا اعظمی کے اس محاکمے کو قبول کیا بلکہ ’’مآثر ومعارف‘‘ میں اپنے مضمون کے ساتھ ساتھ مولانا اعظمی کی رائے کو بھی شائع کردیا۔

حوالے: (۱) قاعدۂ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص: ۲۳، ۲۴۔

(۲) ایضاً ص: ۲۱، ۲۲

(۳) قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، قاضی اطہر مبارک پوری، ص: ۴۴، ۴۵۔

(۴) قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص: ۵۱، ۵۲۔

☆......☆

© rasailojaraid.com